احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (یو کے شاخ)

دارالسلام، ۱۵ سٹینلے ایونیو، ویمبلے، یو کے HA0 - 4JQ

فون نمبر 01753 692654 / 020 8542 2024 / 020 8900 2348

یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

بلٹن جون ۲۰۰۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مئی میٹنگ

اسلام علیکم۔
آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کی ہر میٹنگ میں خود شامل ہوں اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی ساتھ لائیں۔

جائے وقوع :۔ دارالسلام
تاریخ :۔ ۴ جون ۲۰۰۰ء
وقت :۔ ۳ بجے سہ پہر
موضوع :۔ عید میلادالنبی

نبی کریم ﷺ کی شجاعت

جب نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی بات کی جاتی ہے تو بہت دفعہ اُن کی شجاعت کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ شجاعت دو موقعوں پر دکھائی جاتی ہے۔ اول تو اُس وقت جب کہ آپ کو مشکلات کا سامنا ہو اور روشنی کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہو۔ سوال ہے کہ ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں۔ کیا آپ حوصلہ ہار کر بیٹھ جاتے ہیں؟ یا ایسے موقعوں پر اگر کوئی ایسا راستہ نظر آئے کہ آپ اپنے اصولوں کا سودا کر کے موقعے سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو کیا آپ ''حقیقت پسندی'' کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ یا آپ اپنے اصولوں پر مستقل مزاجی سے قائم رہتے ہیں۔ ایسے حالات میں اپنے اصولوں پر قائم رہنے کے لیے انسانی طاقت سے بڑھ کر حوصلے اور شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔
دوسرا موقع وہ ہوتا ہے جب کہ آپ پر زبردست قوت سے حملہ کر کے آپ کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے موقعوں پر بھی چیلنج قبول کرنے کے لیے زبردست قوت ایمانی اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔
ہمارے نبی ﷺ نے دونوں طرح کے موقعوں پر حوصلے اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ نبی کریمؐ ابو طالب کی پناہ میں تھے۔ لیکن ایسا وقت بھی آیا کہ نبی کریم کے دشمنوں کے دباؤ میں آ کر ابو طالب نے نبی کریم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ نبی کریم ﷺ نے کیا خوب فرمایا کہ چچا خدا کی قسم اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تو میں پھر بھی دینِ حق کی تبلیغ سے باز نہ رہوں گا۔ کیا مثال ہے خدا پر ایمان کی! ایک اصول قائم ہو گیا کہ خدا پر ایمان رکھنے والے دنیا کی پناہگاہوں کی پروا نہیں کرتے اور یہ نہیں سوچتے کہ دنیا نے ہمیں پناہ نہ دی تو ہمارا کیا بنے گا۔ ابو طالب کا بھی کیا عظیم الشان حوصلہ تھا کہ کہا اچھا تو پھر میں ہمیشہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھوں گا۔
یہ ہی حوصلہ اور شجاعت حضور نے اپنے صحابہؓ میں بھی پھونکا تھا۔ خبابؓ غلام تھے۔ جب آپ نے اسلام قبول فرمایا تو صرف چھ سات لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ آپ پر سخت تشدد کیا گیا۔ ایک مرتبہ کوئلے جلا کر آپ کو اُن پر لٹا دیا گیا اور ایک ظالم اُن کی چھاتی پر سوار ہو گیا تا کہ وہ ہل نہ سکیں۔

حضرت بلالؓ بھی غلام تھے اُنہیں دوپہر کے وقت آگ سی گرم ریت پر لٹا کر ایک چٹان اُن کے سینے پر رکھ دی جاتی تا کہ ہل نہ سکیں۔ امیہ بار بار پوچھتا کہ بتاؤ خدا کتنے ہیں اور آپ فرماتے ''احد، احد''۔ ایک دفعہ مکہ کے لڑکوں کو بلایا اور رسہ آپ کے گلے میں باندھ کر حکم دیا کہ جب تک یہ اسلام سے توبہ نہ کرے مکہ کی گلیوں میں گھسیٹو۔ کوڑے کی ہر مار پر جو جسم پر دہاں دہاں پڑتی تھی جہاں سے جلد اُتر چکی تھی یہ ہی جواب ملتا تھا ''احد، احد''۔

حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت صہیبؓ کو اتنی اذیت دی کہ آپ کے حواس مختل ہو گئے۔ ظالم جب اذیت دینا بند کرتے تو مسلمانوں سے کہتے یہ نہ سوچنا کہ ہمیں تم پر رحم آ گیا ہے۔ ہم تو تھک گئے ہیں اس لیے آرام کے لیے رُک گئے ہیں۔
جب اس طرح کے ظلم و ستم سے قبول اسلام کا سلسلہ نہ رُک سکا تو کفار نے دوسرے قبائل سے مل کر معاہدہ کیا کہ خاندان بنی ہاشم سے مکمل ترکِ تعلقات کیا جائے۔ اس میں طے ہوا کہ بنی ہاشم سے کوئی شخص قربت نہ کرے گا، نہ اُن سے خرید و فروخت کرے گا، نہ ملے گا اور نہ ہی اُن کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان جانے دے گا جب تک وہ قتل کے لیے محمد ﷺ کو اُن کے حوالے نہ کر دیں۔ ابو طالب مجبور ہو کر شعب ابو طالب میں محصور ہو گئے۔ یاد رہے کہ بنی ہاشم میں سب مسلمان نہیں تھے اس لیے اُن پر دباؤ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ یا تو یہ سارا خاندان مر مٹ جائے یا پھر نبی کریمؐ کو کفار کے حوالے کر دیں۔ یہ کوئی ایک یا دو ہفتوں یا مہینوں کی بات نہیں تھی، پورے تین سال اسی طرح گُزرے اور بنی ہاشم پتے اور چمڑا تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن ابو طالب نے نبی کریمؐ کو کفار کے حوالے نہ کیا۔ اِس واقعے سے نہ صرف نبی کریم کی شجاعت کا علم ہوتا ہے بلکہ آپ کی قیادت کی خوبیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیا ایمان پیدا کیا تھا آپ نے کہ لوگ جان دے دیتے تھے لیکن ایمان نہیں جانے دیتے تھے۔
طائف، مکہ کے نزدیک ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ نبی کریمؐ حضرت زیدؓ کو لے کر وہاں تبلیغ کے لیے گئے۔ وہاں لوگوں نے اُن پر حملہ کر دیا اور پتھراؤ شروع کر دیا۔ حضرت زیدؓ نے نبی کریمؐ کی ڈھال بن کر اُنہیں بچانے کو شش کی۔ طائف سے باہر آئے تو ایک انگوروں کے باغ میں چھُپ کر جان

چائی۔ اتنے ظلم کے باوجود رحمت العالمینؐ کے ہاتھ اہلِ طائف کے لیے دُعا کے لیے ہی اُٹھے۔ سر ولیم میور، جو کہ اسلام کے ناقدین میں سے تھے، وہ بھی نبی کریمؐ کی قوتِ ایمانی پر ششدر رہ گئے کہ کس طرح دو نہتے انسان دشمنوں کے شہر میں تبلیغ کے لیے چلے گئے۔

یہ ہی واقعات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں ولولہ نبی کریمؐ کے پیغام نے پیدا کیا تھا، مالِ غنمت کے لالچ نے نہیں۔ ان واقعات سے نبی کریمؐ کی شجاعت اور حوصلے کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اپنے دفاع سے غافل ہو کر وہ کس طرح تبلیغ کرتے رہے۔

مسلمانوں اور قریش میں پہلی جنگ، مدینے سے کچھ فاصلے پر، بدر کے مقام پر ہوئی۔ تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابل ایک ہزار کفار جس میں ایک سو گھڑ سوار بھی تھے صف آرا ہوئے۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت حسیلؓ کہیں سے آرہے تھے تو کفار نے اُنہیں روک لیا اور اس وعدہ پر چھوڑا کہ وہ نبی کریمؐ کے ساتھ مل کر لڑائی میں شامل نہیں ہوں گے۔ رہائی پانے کے لیے دونوں نے یہ وعدہ کر لیا۔ جب وہ نبی کریمؐ تک پہنچے تو اُنہوں نے اپنی گرفتاری اور رہائی کا سارا قصہ سُنایا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ وعدہ پورا کرنا ہو گا۔ ایک ایسے وقت جب کہ آپ کو ایک ایک سپاہی کی ضرورت تھی، آپ نے اصرار فرمایا کہ صحابہؓ سچائی اور ایمانداری کے اُس راستے پر چلتے رہیں جو کہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ نے وقت کی نزاکت، جو مشکلات سامنے تھیں اُنہیں یا اس چیز کو کہ وعدہ زبردستی کی حالت میں کیا گیا تھا گویا کسی بھی چیز کی پرواہ نہ کی۔ واقعی ایک انسان کا اصلی روپ اُس وقت ہی نظر آتا ہے جب اُس کو خطرات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

نبی کریم نے فوج کی صفیں ترتیب دیں اور ہدایت کی کہ لڑائی ایک منظم طریق سے لڑی جائے اور خود خدا کے حضور سر بسجود ہو گئے اور فرمایا کہ اے مولا تیرا وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے اس لیے کہ اگر آج یہ چند نفوس مارے گئے تو پھر اس دنیا میں تیرا نام بلند کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ بشارت ہوئی کہ فوجیں شکست کھا کر پیٹھ دکھائیں گی۔ وہ بھی کیا منظر تھا کہ باپ بیٹے کے خلاف اور بیٹا باپ کے خلاف تلوار سونتے کھڑا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک طرف تھے اور بیٹا دوسری طرف۔ حضرت حذیفہؓ ایک طرف تھے تو باپ دشمنوں کی فوج میں۔ حضرت عمرؓ نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے ماموں کا کام تمام کیا۔ جب قیدی مدینہ لائے گئے تو اُن میں عقیل بھی تھے جو حضرت علیؓ کے بھائی تھے اور ابو العاص، نبی کریمؐ کے داماد، بھی تھے۔

قیدیوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر مسلمان کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ اپنے قیدیوں سے حُسن سلوک کرے۔ مسلمان خود کون سے امیر تھے لیکن پھر بھی ہر ایک نے قیدیوں کو اپنے بیوی بچوں سے بہتر کھلایا پلایا۔ قیدیوں کو پیٹ بھر کر کھانا دیتے اور آپ صرف چند کھجوریں کھا کر سو جاتے۔ اپنے دشمنوں سے اس طرح کا برتاؤ کرنے کے لیے بڑا دل جگر چاہیے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا یہ ہی لوگ مسلمانوں کو اذیت دیتے تھے اور جان سے مار دیتے تھے۔ تھوڑے سال پہلے ان لوگوں نے اور ان کے دوستوں نے بنی ہاشم کو فاقوں پر مجبور کر کے مارنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہ توکل کی بات تھی کہ ان سب نے مل کر تجویز کی تھی کہ نبی کریمؐ کو بستر میں قتل کر دیا جائے۔ پھر بھی اِس عظیم الشان انسان نے جس کا نام محمد ﷺ تھا یہ ہدایت دی کہ قیدیوں سے حُسن سلوک کیا جائے۔

اگلی جنگ اُحد کے مقام پر ہوئی جو کہ مدینہ سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے۔ قریباً سات سو مسلمانوں کا مقابلہ ساڑھے تین ہزار کفار سے تھا۔ جنگ کی ابتدا میں مسلمانوں کی پلہ بھاری تھا لیکن عقب کو محفوظ کرنے کے لیے جو لوگ مقرر کیے تھے وہ یہ سمجھ کر کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ کفار کے ایک جرنیل نے یہ دیکھ کر گھڑ سواروں کے ساتھ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اِس اچانک حملے سے اسلامی فوج میں ابتری مچ گئی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی کریمؐ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سُنتے ہی مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ گئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے بھی مایوس ہو کر تلوار پھینک دی۔ اور ایک موقع ایسا بھی آیا کہ نبی کریمؐ کے ساتھ صرف گیارہ مسلمان رہ گئے۔ لیکن آپ نے پھر بھی میدان جنگ نہیں چھوڑا اور اُن گیارہ صحابہؓ کو لے کر دوبارہ فوج کو اکٹھا کیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب کفار نے تعاقب کی کوشش کی تو جواب میں تیروں اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ آخر قریش ہمت ہار کر واپس چل دیئے۔ مدینہ میں جب نبی کریمؐ کی شہادت کی افواہ پہنچی تو مسلمان دیوانہ وار اُحد کی طرف دوڑے۔ انصار میں سے ایک خاتون ہر ایک سے پوچھتی کہ نبی کریمؐ کا کیا حال ہے۔ جواب ملا کہ تیرا باپ مارا گیا۔ اُس نے پھر پوچھا کہ نبی کریمؐ کا کیا حال ہے۔ جواب آیا کہ تیرا بھائی مارا گیا۔ اُس کا سوال پھر وہی تھا کہ نبی کریمؐ کا کیا حال ہے۔ جواب ملا تیرا شوہر بھی مارا گیا۔ اُس نے پھر پوچھا کہ نبی کریم کی کیا خبر ہے۔ جب اُسے یہ بتایا گیا کہ نبی کریم خیریت سے ہیں تو بولی اب میں سارے غم برداشت کر سکتی ہوں۔

کچھ عرصہ بعد جنگ حُنین کا واقعہ پیش آیا۔ اب مسلمانوں کے پاس فوج بھی بہت تھی اور سازو سامانِ جنگ بھی۔ اس پر کچھ احباب بولے اب ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔ یہ غرور خدا تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے پسپائی اختیار کر لی۔ ساری فوج بھاگ اُٹھی، سوائے ایک انسان کے اور وہ تھے نبی کریم ﷺ۔ آپ اپنی سواری پر کھڑے ہو گئے اور ایک طرف منہ کر کے آواز دی کہ اے انصار تم کہاں ہو۔ پھر دوسری طرف منہ کر کے آواز دی اے انصار تم کہاں ہو۔ پھر نبی کریمؐ نے بلند آواز میں فرمایا کہ میں ایک نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اتنے میں حضرت عباسؓ گزرے جو بلند آواز تھے تو آپ نے اُن سے کہا کہ آواز دیں۔ حضرت عباسؓ نے آواز دی اے انصار تم کہاں ہو۔ پھر پکارے اے اصحاب الشجرۃ تم کہاں ہو (یعنی بیعت رضوان کرنے والے)۔ جب فوج نے مڑ کر دیکھا کہ نبی کریمؐ نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تو مڑ کر اِس زور سے حملہ کیا کہ کفّار کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کا کیا عظیم الشان حوصلہ تھا اور کیا شجاعت تھی کہ زمانہ امن میں جب اپنی ذات پر ظلم ہوا تو خاموشی سے برداشت کر لیا۔ لیکن جب ظلم کی انتہا ہو گئی اور ساری مسلمان قوم کو نیست و نابود کرنے کے لیے جنگ کی ضرورت پڑی تو آپ نے بھی تلوار ہاتھ میں لے لی۔ لیکن سب سے بڑی حوصلے کی بات تو یہ ہے کہ جب آپ کو موقع ملا کہ آپ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکیں تو آپ نے ہر موقع پر سب کو معاف کر دیا۔ یہ ہے اصل شجاعت اور اس ہی لیے خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمت العالمین کے لقب سے نوازا۔

اظہار افسوس

ہم بڑے افسوس سے ممبران کو مطلع کرتے ہیں کہ والدہ شیلا علی وفات پا گئی ہیں۔ ۲۴ مئی ۲۰۰۰ء کو اُنہیں ہائی ویکمب قبرستان دفنایا گیا۔ دُعا ہے کہ خدا سب کے گناہ معاف کرے اور لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔